پیغام سیرت

تقویٰ۔نتائج وثمرات

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ(۱)

آپ ﷺ چوں کہ نہایت تکلیف دہ باتیں برداشت کر لیتے ہیں جو دوسرے لوگ برداشت نہیں کرتے، اس لئے آپ بلاشبہ خلق عظیم کے مالک ہیں یعنی آپ ﷺ اخلاق کریمانہ پر مکمل طور پر عمل پیرا اوران کے بلند مراتب پر فائز ہیں۔

امام حلیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں خلق کی صفت عظیم بیان کی گئی ہے حال آں کہ عام طور پر اس کی صفت کریم آتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ کرم سے مراد صرف سماحت ونرم خوئی ہوتی ہے لیکن آپ ﷺ چوں کہ نرم خو ہی نہیں بل کہ آپ ﷺ مومنوں پر رحیم ونرم ہونے کے ساتھ کفار کے لئے سخت بھی تھے۔ آپ ﷺ اللہ کے دشمنوں کے بارے میں شدت سے کام لیتے اور آپ ﷺ کا رعب اور ہیبت ان کے دلوں میں ایک ماہ کی مسافت سے پڑتا تھا۔اس لئے آپ ﷺ کے اخلاق کی صفت عظیم بیان کی تا کہ اس میں انعام وانتقام دونوں شامل ہو جائیں۔(۲)

علامہ راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ لفظ خلق، خ کے زبر اور پیش دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور اصل کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں مگر لفظ خَلق (زبر کے ساتھ) ہیئت، شکل اور صورت وغیرہ ان اعضا کے لئے استعمال ہوتا ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں اور مدرک بالبصر ہیں جب کہ خُلق (پیش کے ساتھ) قویٰ، عادات اور طبیعت وغیرہ ان صفات کے لئے استعمال ہوتا ہے جو بصیرت سے تعلق رکھتی

۱۔القلم:۴ ۲۔شامی۔سبل الہدی والرشاد: ج ۷، ص ۱۴

ہیں۔(۳)

اس کیفیت اور ملکے کا حصول جسے خُلق کہا جاتا ہے بہت مشکل اور کٹھن ہے کیوں کہ ان افعال و اوصاف حمیدہ سے متصف ہونے کے لئے جن کو علم الاخلاق کی روح کہا جاتا ہے ضروری ہے کہ وہ اوصاف انسان کے اندر دائمی طور پر موجود ہوں اور اس کی فطرت کا حصہ بن جائیں۔ اسی لئے آپ ﷺ نے عمل کی کثرت سے زیادہ اس کے دوام و استمرار پر زور دیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ان احب الاعمال الی اللہ ادومھا وان قل (۴)

بے شک اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر ہمیشہ عمل کیا جائے، خواہ وہ عمل تھوڑا ہی ہو۔

ایک اور حدیث میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بعثت لاتمم حسن الاخلاق (۵)

میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

مکارم اخلاق سے مراد وہ اعلیٰ درجے کے اخلاقی اصول اور اوصاف ہیں جن پر ایک پاکیزہ زندگی اور ایک صالح انسانی معاشرے کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ آپ ﷺ سے پہلے جس قدر انبیائے علیہم السلام گزرے وہ سب اپنے اپنے زمانے اور اس وقت کی اخلاقی ضروریات کے اعتبار سے حسن اخلاق کے بہترین نمونے پیش کرتے رہے، لیکن آپ ﷺ سے پہلے کوئی ایسی شخصیت دنیا میں تشریف نہیں لائی تھی جس نے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں اور شعبوں سے متعلق حسن اخلاق کے اصولوں کو مکمل اور جامع طور پر بیان فرمایا ہو، اور جو ایسی جامع اور کامل و مکمل شریعت لے کر آیا ہو جس کے بعد کسی اور پیغمبر اور شریعت کی ضرورت باقی نہ رہے چناں چہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے لئے مبعوث فرما کر آپ پر دین کی تکمیل اور سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا۔ چناں چہ ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (۶)

اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے لئے بشیر (خوش خبری سنانے والا) اور نذیر (خبردار کرنے والا) بنا کر بھیجا ہے لیکن بہت سے لوگ یہ نہیں جانتے۔

۳۔ راغب اصفہانی۔ المفردات: ص ۱۵۸
۴۔ احمد۔ المسند: ج ۷، ص ۳۸۱، رقم ۲۵۷۷۵
۵۔ امام مالک۔ الموطا: باب حسن الخلق
۶۔ سبا: ۲۸

دوسری جگہ ارشاد ہے:

قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۷)

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین میں ہے۔

اور ارشاد ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (۸)

بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا، تاکہ وہ تمام جہانوں کو خبردار کردے۔

سابقہ انبیاء علیہم السلام خاص اپنے اپنے زمانے اور اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ اس کے برعکس آپ ﷺ کی بعثت کسی خاص قوم، قبیلے اور زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں بل کہ آپ آخری نبی ہیں اور تمام عرب وعجم اور دنیا جہان کے لوگوں کے لئے قیامت تک اللہ کے رسول ہیں۔ سلسلۂ نبوت آپ ﷺ پر ختم ہوگیا۔ اب تا قیام قیامت کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا اور نہ کوئی شریعت۔ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ کی اطاعت سب پر لازم ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی شریعت ہر لحاظ سے کامل ومکمل ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (۹)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کرلیا۔

کوئی رسول اس وقت تک لوگوں کے لئے نمونۂ عمل نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ انسانی دائرے میں رہتے ہوئے عام انسانوں کی طرح اپنی تعلیمات پر عمل کرکے نہ دکھائے۔ چناں چہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے پیغمبر کی حیثیت سے اپنی اتباع کرنے والوں کو جو نصیحت فرمائی، سب سے پہلے آپ ﷺ نے خود اس پر عمل کرکے دکھایا۔ اسی لئے اللہ نے آپ کی زندگی کو لوگوں کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا:

۷۔ الاعراف: ۱۵۸ ۸۔ الفرقان: ۱ ۹۔ المائدہ: ۳

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ○ (۱۰)

البتہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تمہارے لئے عمدہ نمونہ ہے، اس کے لئے جو اللہ اور قیامت کی اُمید رکھتا ہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔

اس لئے جو شخص اللہ سے ملنے اور آخرت کے ثواب کی اُمید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہو اس کے لئے آپ ﷺ کی ذات بابرکات میں ہر شعبۂ زندگی کے لئے نمونۂ عمل موجود ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو ہر کام اور ہر معاملے، ہر حرکت وسکون، ہر نشست و برخاست اور ہمت و استقلال وغیرہ میں آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔ آپ نے جن اعمال واخلاق حسنہ کی تعلیم دی ہمیشہ ان پر عمل پیرا رہنا چاہئے جس طرح آپ ﷺ نے پیغام الٰہی کے پہنچانے میں مشرکین کی ایذاؤں پر صبر فرمایا، خویش و اقارب اور وطن کو چھوڑ کر مدینے ہجرت فرمائی، دشمنانِ خدا سے جہاد وقتال کیا، بھوک، پیاس اور طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کیں، اسی طرح ہر شخص کو اپنے ہر معاملے میں آپ ﷺ کی کامل اتباع کرنی چاہئے، اسی میں دین ودنیا کی فلاح ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا (۱۱)

مومنوں میں سے ایمان میں کامل تر وہ ہے جو ان میں سے اخلاق میں بہتر ہے۔

ایک اور حدیث میں حضرت ابوامامہ سے روایت ہے

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سأله رجل فقال يا رسول الله، ما الايمان: قال اذا سرتک حسنتک وساء تک سيئک فانت مؤمن قال يا رسول الله ما الاثم؟ قال اذا حاک فی شیء فدعه (۱۲)

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جب نیکی تجھے خوش کرے اور برائی تجھے غم گین کرے تو تم مومن ہو۔ اس نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) گناہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جب کوئی چیز تیرے دل میں کھٹکے تو اسے چھوڑ دو۔

۱۰۔ الاحزاب: ۲۱ ۱۱۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۲۲۸، رقم ۴۶۸۲۔ حاکم۔ المستدرک: ج ۱، ص ۴۳۔ رقم ۱

۱۲۔ حاکم: ج ۱، ص ۵۹، رقم ۳۳

تقویٰ

اعلیٰ درجے کے اخلاقی اصولوں اور اوصاف میں سے تقویٰ بنیادی نوعیت کا حامل وصف ہے۔ یہ اسم ہے۔ اس کا مصدر الاتقاء ہے اور اس کا مادہ (وق ی) ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں کہ کسی چیز کو دوسرے سے کسی چیز کی مدد سے دور کرنا۔

امام راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ نفس کو ایذا دینے والی چیز سے بچانے کا نام تقویٰ ہے۔ اصطلاح میں گناہوں سے نفس کی حفاظت کرنے کو تقویٰ کہتے ہیں۔ (المفردات بہ ذیل مادہ)

اور جرجانی کہتے ہیں کہ طاعت میں تقوے سے مراد اخلاص ہے اور معصیت میں اس سے مراد گناہوں کو چھوڑ دینا اور ان سے احتراز کرنا ہے۔

قرآن کریم میں لفظ تقویٰ پانچ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے

۱۔ خوف وخشیت:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ○ (۱۳)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو بے شک قیامت کا زلزلہ عظیم چیز ہے۔

اے لوگو! اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے رہو، اس کی فرماں برداری اور اطاعت گزاری میں لگے رہو۔ اس کی نافرمانی میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو اس کے قہر کا مستحق نہ بناؤ۔ بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی ہول ناک چیز ہے۔ اس سے دنیا تہس نہس ہو جائے گی۔ یہ ایسا سنگین حادثہ ہوگا کہ اس سے بڑھ کر کوئی حادثہ نہیں۔ تقویٰ اور اللہ کی فرماں برداری کے سوا کوئی چیز اس سے محفوظ رکھنے والی نہیں۔ اس لئے تقویٰ اختیار کرو اور اللہ کے احکام پر چلو۔

۲۔ عبادت:

یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ○ (۱۴)

وہ فرشتوں کو وحی دے کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا نازل فرماتا ہے تاکہ وہ خبردار کر دیں کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو تم مجھ سے ڈرتے رہو۔

یہ بات تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے کہ وہ مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہے اپنی نبوت ورسالت کے

۱۳۔ الحج: ۱ ۱۴۔ النحل: ۲

لئے چن لیتا ہے اور فرشتے کو وحی دے کر اس کے پاس بھیج دیتا ہے تا کہ وہ لوگوں کو مطلع کر دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس لئے اسی کی عبادت کرنی چاہئے اور ہر معاملے میں اسی سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

۳۔ترک معصیت

وَاْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O (۱۵)

اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو اور اُللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

ایام جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ لوگ احرام کی حالت میں اپنے گھروں میں پیچھے کی طرف سے دیواریں پھاند کر آتے تھے۔ اسی طرح جب کوئی سفر کے ارادے سے نکلتا اور کسی وجہ سے اس کو سفر ادھورا چھوڑ کر واپس آنا پڑتا تو وہ گھر کے دروازے سے گھر میں داخل نہیں ہوتا تھا بل کہ گھر کے پیچھے کی طرف سے دیوار چڑھ کر آتا تھا۔ اسلام نے ان جاہلانہ رسموں کو مٹایا اور حکم دیا کہ اللہ کے احکام بجالاؤ، اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یہی چیزیں اس دن کام آنے والی ہیں جس دن ہر شخص اللہ کے سامنے پیش ہوگا اور اپنے اعمال کی پوری پوری جزا یا سزا پائے گا۔ یہی اصل نیکی ہے اور اللہ کو مطلوب ہے اور یہی انسانوں کے اعمال اور ان کی زندگی کے اچھا یا برا ہونے کی کسوٹی ہے۔

۴۔توحید:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ O (۱۶)

بے شک جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں تو وہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقوے (توحید) کے لئے آزما لیا ہے۔ ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

جو لوگ آپ ﷺ کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے آپ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں اللہ نے ان کے دلوں کو کمال تقویٰ (توحید) سے خالص کر دیا ہے۔ ایسے متقی اور پرہیز گاروں کے لئے مغفرت اور ثواب عظیم ہے۔ اگر ان لوگوں سے کبھی بے دھیانی میں ایسی حرکت سرزد ہو جائے جس سے آواز بلند ہوگئی تو اللہ اس کو معاف فرما دے گا اور ان کی حسن نیت پر ان کو ثواب عظیم دے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے آہستہ آواز سے بات کرنا اللہ کو بہت پسند ہے اور ایسے لوگ کمال کے انتہائی درجے پر فائز

۱۵۔البقرہ:۱۸۹ ۱۶۔الحجرات:۳

ہیں۔ اُس کے برعکس آپ ﷺ کے سامنے اونچی آواز سے بات کرنا اور شور وغل مچانا اللہ کے نزدیک بہت ہی برا ہے۔

۵۔ اخلاص:

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ○ (۱۷)

بات یہ ہے کہ جو کوئی اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دل کے تقوے کی بات ہے۔

شعائر اللہ کی تعظیم دلوں کی پرہیز گاری سے پیدا ہوتی ہے۔ دل میں جس درجے کا تقویٰ اور اللہ کی عظمت ہوگی اس سے اسی درجے کی تعظیم کا ظہور ہوگا۔ شعائر اللہ کی تعظیم شرکت نہیں بل کہ تقویٰ اور پرہیز گاری کی علامت ہے، ان کی تعظیم وہی کرتا ہے جس کے دل میں تقویٰ اور خوف خدا ہو۔ یہاں شعائر اللہ سے مراد حج کے تمام اعمال ہیں، مثلاً وقوف عرفات، رمی جمار اور قربانی کے جانور وغیرہ۔

تقوے کی تعریف

تقوے کی تعریف متعدد طریقے سے کی گئی ہے لیکن سب سے زیادہ جامع تعریف وہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کرنے پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ تو حضرت ابی نے فرمایا کہ اے امیر المومنین! کبھی ایسے راستے پر آپ کا گزر ہوا جو کانٹوں سے پُر ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں کئی بار گزر ہوا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایسے موقعے پر آپؓ نے کیا کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دامن سمیٹ کر نہایت احتیاط سے چلا۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا بس تقویٰ اسی کا نام ہے۔ یہ دنیا کانٹوں کا ایک جنگل ہے، گناہوں کے کانٹوں سے پُر ہے۔ اس لئے دنیا میں اس طرح چلنا چاہئے اور زندگی بسر کرنا چاہئے کہ گناہوں کے کانٹوں سے نہ اُلجھے۔ اسی کا نام تقویٰ ہے۔

تقویٰ انسان کی اس باطنی کیفیت کا نام ہے جو اس کو نیکی پر آمادہ کرتی ہے اور گناہ سے روکتی ہے۔ یعنی تقویٰ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو ہر اس کام کے کرنے سے روکے جو اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے نزدیک پسندیدہ نہ ہو اور جس کے کرنے سے وہ عذاب الٰہی کا مستحق ٹھہرتا ہو۔ پس اوامر پر عمل کرنا اور نواہی سے بچنا تقویٰ ہے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے

۱۷۔ الحجرات: ۳۲

(سن کر) یہ کلمات یاد کر لئے:

دع مایریبک الی مایریبک، فان الصدق طمانینة و الکذب ریبة (۱۸)

جو چیز شک میں مبتلا کرنے والی ہو اس کو چھوڑ کر اس کو اختیار کرو جو شک وشبہ سے بالاتر ہو، اس لئے کہ سچائی سراسر سکون واطمینان ہے اور جھوٹ سراسر شک وتذبذب ہے۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ اگر دلائل وقرائن کی بنا پر کوئی معاملہ مشتبہ ہو اور اس کا حلال یا حرام ہونا واضح نہ ہو تو شک وشبہ میں مبتلا ہونے کی بہ جائے جس چیز کا یقین ہو یا کم از کم گمان غالب ہو، اس پر عمل کر لے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر معاملے میں خواہ مخواہ شکوک وشبہات پیدا کئے جائیں کیوں کہ یہ بات تقویٰ کے منافی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا دخل احدکم علی اخیه المسلم فاطمعه طعاماً فلیاکل من طعامه و لایسأله عنه، فان سقاه شراباً من شرابه فلیشر به من شرابه و لایسئاله عنه (۱۹)

جب تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائی کے پاس جائے اور وہ اسے کھانا پیش کرے تو اس کے کھانے میں سے کھالے اور چھان بین نہ کرے اور اگر وہ اسے کچھ پلائے تو پی لے اور پوچھ گچھ نہ کرے۔

یعنی کسی مسلمان کے ہدیے یا دعوت کے موقع پر حلال وحرام کی چھان بین میں نہ پڑے، بل کہ حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اس کے کھانے میں سے کھالے۔ ایک مسلمان سے یہی توقع رکھنی چاہئے کہ وہ خود بھی حلال وطیب کھاتا ہے اور دوسروں کو بھی حلال وطیب ہی کھلاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یا عائشة ایاک و محقرات الذنوب فان لها من الله طالبا (۲۰)

اے عائشہ! حقیر گناہوں سے بچتی رہنا اس لئے کہ ان کے بارے میں بھی اللہ کے ہاں باز پرس ہوگی۔

جس طرح کبیرہ گناہوں سے مسلمان کی نجات خطرے میں پڑ جاتی ہے اسی طرح صغیرہ گناہ بھی مسلمان کے لئے کم خطرناک نہیں۔ بہ ظاہر یہ ہلکے اور معمولی نظر آتے ہیں لیکن جب ان کو بار بار کیا جائے تو

۱۸۔ احمد: ج ۱، ص ۲۰۰، رقم ۱۷۲۹ ۱۹۔ احمد: ج ۳، ص ۱۲، رقم ۱۹۳۴

۲۰۔ مشکوۃ: باب البکاء و الخوف

یہی گناہ کبیرہ بن جاتے ہیں اور دل زنگ آلود ہو جاتا ہے اور گناہوں سے نفرت ختم ہو جاتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے عذاب کی ہولناکی پیش نظر ہو تو پھر انسان کسی چھوٹے سے چھوٹے گناہ پر بھی دلیر نہیں ہو سکتا۔

حضرت نواس بن سمعان انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نیکی اور گناہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

البر حسن الخلق والاثم ماحاك فی نفسك وكرهت ان يطلع عليه الناس (۲۱)

بھلائی حسن خلق ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تجھے برا لگے کہ لوگ اس سے مطلع ہوں۔

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے وابصہ بن معبد کے سوال پر نیکی اور معصیت کے بارے میں نہایت سادہ اور عام فہم انداز میں بتایا:

يا وابصة استفت نفسك البر ما اطمان اليه القلب واطمانت اليه النفس والاثم ماحاك فی القلب وتردد فی الصدر وان افتاك الناس (۲۲)

اے وابصہ اپنے دل سے پوچھ لیا کر اور اپنے نفس سے رائے لے لیا کر۔ نیکی وہ ہے جس سے دل اور نفس میں اطمینان پیدا ہو اور گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور نفس کو ادھیڑ بن میں ڈالے اگرچہ لوگ تجھے اس کا کرنا جائز ہی کیوں نہ بتائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

المؤمن غر كريم والفاجر خب لئيم (۲۳)

مومن سادہ اور سخی ہے اور فاجر فریبی اور بخیل ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کا مقصد اعمال میں تقوے کی روح پیدا کرنا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (۲۴)

۲۱۔ مسلم: ج ۴ ص ۱۶۶ رقم ۲۵۵۳

۲۲۔ مسند احمد: ج ۴، ص ۲۲۸، رقم ۱۷۵۴۰۔ دارمی: ج ۲، ص ۳۲۰، رقم ۲۵۳۳ ۲۳۔ ترمذی۔ کتاب البر والصلہ باب ماجاء فی البخل: ج ۳، ص ۳۸۸، رقم ۱۹۷۱۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۲۶۸، رقم ۴۷۹۰ ۲۴۔ البقرہ: ۱

یہ کتاب (ایسی ہے) جس میں ذرا بھی شک نہیں۔ یہ متقیوں کے لئے ہدایت (کا ذریعہ) ہے۔

یہ کتاب جو محمد ﷺ تلاوت فرماتے ہیں اور یہود و مشرکین جس کو جھٹلاتے ہیں وہی قرآن کریم ہے جس کی خبر پہلی کتابوں میں دی گئی ہے اور جس کے دلائل ایسے واضح اور روشن ہیں کہ کوئی معقول اور منصف مزاج آدمی اس کی حقانیت اور اس کے من جانب اللہ ہونے میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں کرسکتا، جیسے ارشاد ہے:

تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ O (۲۵)

اس میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں کہ یہ کتاب پروردگار عالم کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

چناں چہ جو یہودی اپنی کتابوں کے حقیقی عالم تھے وہ قرآن کو سنتے ہی ایمان لے آئے اور جو بغض و عناد اور حسد میں مبتلا تھے وہ اس سعادت ابدی سے محروم رہے۔ قرآن کریم سے پہلے بھی اللہ نے اپنے پیغمبروں اور رسولوں پر اپنی کتابیں اور صحیفے نازل کئے تھے۔ اس وقت بھی بہت کم لوگوں نے ان سے ہدایت و رہنمائی حاصل کی تھی اور ان کی اکثریت اپنی بداعمالیوں اور کفر کی حالت پر قائم رہی۔ اسی طرح قرآن کریم سے بھی ہدایت و رہنمائی صرف وہی لوگ حاصل کریں گے جن کے دل کا آئینہ نفسانی و شیطانی ظلمتوں کے زنگ سے صاف و شفاف اور روشن ہوگا۔ ایسے لوگ ہی اپنے قلب کی نورانیت کے سبب ناپسندیدہ اور برے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں کہیں عام ہدایت کا ذکر ہے اور کہیں خاص ہدایت کا۔ یہاں خاص ہدایت مراد ہے۔ ہر چند کہ قرآنی ہدایت مسلمانوں اور کافروں سب کے لئے ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

هدى اللناس (۲۶)

انسانوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ۔

مگر اس سے فائدہ حاصل کرنا صرف متقیوں کا حصہ ہے کیوں کہ ان کے دل زنگ وظلمات نفسانی و شیطانی سے پاک وصاف اور روشن ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ O (۲۷)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم اسلام ہی کی حالت میں مرنا۔

۲۵۔ الم سجدہ: ۲ ۲۶۔ البقرہ: ۱۸۵ ۲۷۔ آل عمران: ۱۰۲

تقوے کا حق ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ معاصی اور گناہوں سے بچنے میں بندہ اپنی پوری توانائی اور طاقت صَرف کردے، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ (۲۸)

پس جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنو اور مانو اور خرچ کرتے رہو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا اور جو شخص نفس کی حرص سے محفوظ رہا تو وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے تو وہ تمہارے لئے اسے بڑھاتا جائے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا۔

تقویٰ اختیار کرنے میں تم اپنی پوری کوشش اور طاقت صرف کرو، اس کی نصیحتوں کو سنو اور اس کے احکام پر چلو اور اس کی خوش نودی کے لئے اس کی راہ میں اپنا مال خرچ کرو۔ جو لوگ اپنے آپ کو اپنے نفس کی خواہش اور مال کی محبت سے بچالیں تو وہی کام یاب ہیں۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے کسی کو یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ اس سے اس کے مال میں کمی آجائے گی، بل کہ یہ تو اللہ کو قرض حسنہ دینا ہے۔ اگر تم اللہ کی راہ میں اخلاص اور نیک نیتی سے پاک وصاف مال خرچ کرو گے تو اللہ تمہیں اس سے کہیں زیادہ دے گا اور اس کی برکت سے تمہاری خطاؤں کو معاف فرمادے گا۔

اگر کسی نے اپنی پوری طاقت وتوانائی اللہ کی نافرمانی سے بچنے میں صَرف کردی تو گویا اس نے تقویٰ کا حق ادا کردیا۔ اس کے باوجود اگر وہ کسی ناجائز اور ممنوعہ کام میں مبتلا ہوگا تو یہ حق تقویٰ کے خلاف نہیں۔

تقوے کا مرکز

اسلام میں ہر نیک کام عبادت ہے۔ اس لئے خیر اور بھلائی کے جملہ امور خواہ وہ انسان کے جسم سے تعلق رکھتے ہوں یا مال سے یا اس کے قلب سے، سب عبادت میں داخل ہیں۔ جس طرح فقہاء کرام نے جسمانی اور مالی عبادات سے سیر حاصل بحث کی ہے اسی طرح صوفیائے عظام نے جسمانی اور مالی عبادات کے ساتھ قلبی عبادت کو شامل کرکے اس کے تزکیے اور تصفیے پر توجہ مرکوز کی ہے۔ انسان کا دل اس کے جسم کا بادشاہ اور تمام اعضا کا سردار ہے۔ جس طرح نیک بادشاہ کی رعایا نیک ہوتی ہے اسی طرح جسم کے بادشاہ

۲۸۔ التغابن: ۱۶، ۱۷

یعنی دل کے درست اور صالح ہونے سے اس کے جسم کے اعضا بھی صالح اور درست ہوں گے اور اللہ کے احکام کی پابندی کریں گے۔ قلب کا انسانی ہدایت اور گم راہی سے گہرا تعلق ہے۔ جب تک دل صحیح اور صالح رہتا ہے انسان بھلائی کے کام کرتا رہتا ہے جب اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے تو اس سے اس کے اعمال میں بھی فساد اور بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ یہ بالکل سیاہ ہو کر صرف برائیوں کی آماج گاہ بن جاتا ہے۔

صحیحین میں حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الحلال بين والحرام بين وبينهما متشابهات لايعلمها كثير من الناس، فمن اتقى المشبهات استبرأ لدينه وعرضه ومن وقع في الشبهات كراعي يرعى حول الحمى يوشك ان يواقعه الاوان لكل ملك حمى الا ان حمى الله في ارضه محارمه الاو ان في الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله ،الا وهي القلب (۲۹)

حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان بہت سے مشتبہ امور ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جان سکتے۔ سو جس نے اپنے آپ کو مشتبہ امور سے بچالیا تو اس نے اپنی آبرو اور دین کو بچالیا اور جو مشتبہ امور میں پڑ گیا وہ حرام میں جا پڑا، اس چرواہے کی مانند جو کسی محفوظ و ممنوعہ چراگاہ کے گرد جانور چرا رہا ہو تو قریب ہے کہ وہ چراگاہ میں جا پڑے۔ آگاہ ہو جاؤ! ہر بادشاہ کی ایک ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے اور زمین پر اللہ کا ممنوعہ علاقہ اس کے محارم و ممنوعات ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ (انسان کے) جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب تک وہ درست رہتا ہے تو اس کا سارا بدن درست رہتا ہے اور جب اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے تو سارے جسم میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان العبد اذا اخطا خطيئة نكتت في قلبه نكتة سوداء فاذا هو نزع واستغفر وتاب صقل قلبه وان عاد زيد فيها حتى تعلوا قلبه وهو الران الذى ذكر الله: كلابل ران على قلوبهم ماكانو يكسبون (۳۰)

بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر اس نے

۲۹۔ بخاری: ج ۱، ص ۲۱، رقم ۵۲۔ دارمی: ج ۲، ص ۳۱۹، رقم ۲۵۳۱

۳۰۔ ترمذی: ج ۵، ص ۲۲۰، رقم ۳۳۴۵

اپنے آپ کو گناہ سے علیحدہ کرلیا اور اللہ سے مغفرت مانگی اور توبہ کی تو اس کا دل صاف ہوجاتا ہے اور اگر اس نے پھر وہی گناہ کیا تو وہ سیاہ نکتہ بڑھ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ پورے دل پر چھا جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہی وہ زنگ ہے جس کا ذکر سورۃ المطففین کی آیت کلا بل ران میں ہے۔ (یعنی ہرگز نہیں بل کہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کا زنگ لگ گیا ہے)

یہ قرآن اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں نہیں بل کہ یہ تو کلام الٰہی ہے جو اس نے وحی کے ذریعے اپنے بندے پر نازل کیا ہے۔ البتہ کافروں کے دلوں پر ان کی بداعمالیوں کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ گناہوں اور خطاؤں نے ان کے دلوں کو زنگ آلود کردیا ہے۔ جس طرح زنگ لوہے کو کھا کر مٹی بنا دیتا ہے اسی طرح گناہوں کے زنگ نے ان کے دلوں کی اس صلاحیت کو ختم کردیا جس سے بھلے برے کی تمیز ہوتی ہے اسی لئے وہ حق و باطل میں تمیز کے قابل نہیں رہے۔

حضرت لقمان حکمت و دانش میں بہت بلند درجہ رکھتے تھے۔ ان کی حکمتوں اور نصیحتوں کا قرآن مجید میں بھی تذکرہ ہے۔ مشہور ہے کہ جس زمانے میں وہ کسی شخص کے غلام تھے ایک دفعہ ان کے آقا نے ان کو ایک جانور دیا کہ اس کو ذبح کر کے اس کا سب سے بہتر عضو نکال کر لاؤ۔ حضرت لقمان نے اس جانور کا دل نکال کر پلیٹ میں رکھ کر اپنے آقا کے سامنے پیش کردیا۔ کچھ عرصے کے بعد اس آقا نے ایک اور جانور ان کو دیا اور کہا کہ اس کو ذبح کر کے اس کا سب سے بدتر عضو نکال کر لاؤ۔ حضرت لقمان نے اس دفعہ بھی اس کا دل نکال کر اپنے آقا کے سامنے پیش کیا۔ ان کے آقا نے کہا کہ جب میں نے سب سے بہتر عضو لانے کے لئے کہا تھا تو اس وقت بھی تم دل لائے تھے اور اب جب کہ میں نے سب سے بدتر عضو منگوایا تب بھی دل ہی لے کر آئے ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ حضرت لقمان نے فرمایا کہ اگر دل کی اصلاح ہوچکی ہو تو تمام اعضائے بدن سے بہتر ہے اور اگر اس کی اصلاح نہ ہوئی ہو تو یہ سب سے بدتر عضو ہے۔ (۳۱)

جس طرح انسانی جسم کا ظاہری میل کچیل اور نجاست صابن اور پانی سے دور کئے جاتے ہیں اسی طرح اس کے باطن یعنی دل کے میل کچیل کی صفائی موت کو کثرت سے یاد کرنے اور قرآن مجید کی تلاوت سے ہوتی ہے۔ چناں چہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان هذه القلوب تصدء كما يصدء الحديد اذا اصابه الماء، قيل يا رسول الله ﷺ وما جلاء ها قال كثرة ذكر الموت وتلاوة القرآن (۳۲)

۳۱۔ مولانا سید زوار حسین شاہؒ۔ مقالات زواریہ: ص ۴۳ ۳۲۔ شعب الایمان: ج ۲، ص ۳۵۳

دلوں کو اسی طرح زنگ لگ جاتا ہے جس طرح پانی لگنے سے لوہے کے اوپر زنگ آجاتا ہے۔عرض کیا گیا یارسول اللہ (ﷺ) اس کو صاف کیسے کیا جائے؟ آپ نے فرمایا موت کو کثرت سے یاد کرنا اور تلاوت قرآن زیادہ کرنا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لکل شیء صقالة وصقالة القلوب بذکر الله (۳۳)

ہر چیز کے لئے ایک چمکانے والا (زنگ دور کرنے والا) ہوتا ہے اور دلوں کو چمکانے والا اللہ کا ذکر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاتحاسدوا، ولاتناجشوا، ولاتباغضوا، ولاتدابروا ولایبع بعضکم علی بعض وکونوا، عبادالله اخوانا، المسلم اخوا المسلم لایظلمه ولایخذله ولا یحقرهٗ، التقویٰ ههنا ویشیر الی صدره ثلاث مرات، بحسب امرىء من الشر ان یحقهر اخاه المسلم، کل المسلم علی المسلم حرام، دمه وماله وعرضه (۳۴)

حسد نہ کرو، بغض نہ رکھو، دشمنی نہ کرو، تم میں سے کوئی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو ذلیل کرے اور نہ اس کو حقیر جانے، تقویٰ یہاں ہے۔آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ فرمایا۔(یعنی جب تک آدمی کا سینہ صاف نہ ہو ظاہر میں عمدہ اعمال کرنے سے آدمی متقی نہیں بنتا) آدمی کے لئے یہ برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔مسلمان کی سب چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں، اس کا خون اس کا مال اور اس کی عزت وآبرو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ان الله لاینظر الی اجسادکم ولا الٰی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم واشار باصابعه الی صدره (۳۵)

۳۳۔مشکوۃ۔کتاب الدعوات۔دار الکتاب العلمیہ ۲۰۰۳ء: ج ۱، ص ۴۲۷، رقم ۲۲۸۶

۳۴۔ج ۴، ص ۱۷۱، رقم ۲۵۶۴/۳۲ ۳۵۔ج ۴، ص ۱۷۱، رقم ۲۵۶۴/۳۳

اللہ نہ تمہارے جسموں کو دیکھتا ہے اور نہ تمہاری صورتوں کو بل کہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں سے اپنے سینے کی طرف اشارہ فرمایا۔

تقوے کا حصول

اسلام میں تمام عبادتوں کا مقصود تقوے کا حصول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ O (۳۶)

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور ان لوگوں کو پیدا کیا ہے جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم میری عبادت کرو بل کہ یہ حکم دیا کہ تم اپنے رب کی عبادت کرو۔ لفظ رب میں اس طرف اشارہ ہے کہ چوں کہ وہ ہر وقت اپنے بندوں کی پرورش کرتا ہے اس لئے اس کے اس عظیم انعام و احسان کے شکریے میں اس کی عبادت کرو۔ عبادت کا حکم مومن و کافر سب کے لئے ہے البتہ کافر کے لئے حکم ایمان لانے کے بعد ہے کیوں کہ عبادت کے لئے ایمان شرط ہے۔

اس آیت میں اللہ نے تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ بتایا ہے کہ تمہارا اور تمہارے آباؤ واجداد یعنی تمام بنی نوع انسان کا خالق و مالک وہی ہے جو ہر وقت تمہاری پرورش کرتا ہے اور تم ایک لمحے کے لئے بھی اس کی ربوبیت سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ اس لئے صرف اسی کی عبادت کرو تاکہ تمہارے اندر پرہیز گاری آجائے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جن چیزوں کو تم پوجتے ہو ان میں سے کسی نے بھی نہ تو تمہیں پیدا کیا اور نہ تمہارے آباواجداد کو اور نہ ہی ان باطل معبودوں نے تم میں سے کسی کی پرورش کی ہے۔ جس طرح تم محتاج ہو اسی طرح یہ بھی محتاج ہیں۔ لہٰذا ان کو کسی امر کا مالک سمجھ کر ان کی عبادت کرنا باطل خیال ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ O (۳۷)

اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی بنو۔

۳۶۔ البقرہ:۲۱ ۳۷۔ البقرہ:۱۸۳

یہاں روزے کے حکم کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہ حکم صرف تمہارے لئے ہی نہیں ہے بل کہ سابقہ امتوں پر بھی روزے فرض کئے گئے تھے۔ تم سے پہلے وہ بھی روزے کی مشقت اُٹھاتے آئے ہیں اگر چہ ان کے روزوں کی تعداد اور اوقات میں کمی بیشی ہوتی رہی۔ پھر فرمایا کہ یہ روزے اس لئے فرض کئے گئے ہیں کہ اس سے تمہارے اندر اپنی خواہشات کو قابو میں رکھنے کا ملکہ پیدا ہو اور تم نفس کشی کے عادی ہو کر متقی بن جاؤ اور ارشاد ہے:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (۳۸)

اللہ کے ہاں نہ تو ان کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون بل کہ اس کے پاس تو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قربانیوں کے گوشت اور خون کو اُٹھا کر اپنے پاس نہیں لے جاتا اور نہ ان قربانیوں کے گوشت اور خون سے اس کو کوئی نفع ہوتا ہے۔ وہ ساری مخلوق سے غنی اور تمام بندوں سے بے نیاز ہے۔ اس کے پاس صرف نیک اعمال پہنچتے ہیں جن کی بنیاد اخلاص اور تقوے پر ہو اور جو محض اللہ کی خوش نودی حاصل کرنے کے لئے شرک کی آمیزش کے بغیر کئے گئے ہوں۔ اللہ لوگوں کے تقوے کو دیکھتا ہے اور اسی کو قبول کرتا ہے اور اسی پر اجر و ثواب عنایت فرماتا ہے۔

اللہ نے انسان کے قلب کے اندر ایک فطری صلاحیت ودیعت فرمائی ہے جو انسان کو اعتدال کی راہ دکھاتی رہتی ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَاo (۳۹)

ہر نفس میں اس کی نیکی اور بدی الہام کر دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر گناہ اور اطاعت دونوں کے مادے اور استعداد رکھی ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے انسان کو صاف صاف بتا دیا کہ شر اور برائی کا راستہ یہ ہے اور خیر اور تقوے کا راستہ یہ ہے۔ پھر ایک حد تک انسان کو اختیار و قدرت بھی دے دی کہ وہ اپنے اختیار سے خواہ گناہ کا راستہ اختیار کرے یا اطاعت و فرماں برداری کا۔ اسی قصد و اختیار کے تحت گناہ یا اطاعت کا راستہ اختیار کرنے پر اس کو آخرت میں ثواب یا عذاب ملے گا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاo وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (۴۰)

۳۸۔ الحج: ۳۷ ۳۹۔ الشمس: ۸ ۴۰۔ الطلاق: ۲، ۳

اور جو اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ اس کے لئے نجات کی صورت پیدا فرما دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا اور جو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے اس کے لئے اللہ کافی ہے۔

جو شخص اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہو اور اس کے احکام پر عمل کرتا ہو، اس کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرتا ہو تو اللہ اس کے لئے تمام مشکلات سے نکلنے کے اسباب پیدا فرما دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جو اس کے خواب وخیال میں بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا انسان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے محض اسباب پر تکیہ نہیں کرنا چاہئے کیوں کہ اللہ اسباب کا پابند نہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ مجھے وصیت کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اوصیک بتقوی اللہ فانہ رء وس کل شیء، وعلیک بالجہاد فانہ رہبانیۃ الاسلام ،وعلیک بذکراللہ وتلاوۃ القرآن فانہ روحک فی اسماء وذکرک فی الارض (۴۱)

میں تجھے اللہ کے تقوے کی وصیت کرتا ہوں اس لئے کہ یہ تمام چیزوں کا سردار ہے اور جہاد کو اپنے اوپر لازم کر اس لئے کہ وہ مسلمانوں کی رہبانیت ہے اور اللہ کے ذکر اور اس کی کتاب کی تلاوت اپنے اوپر لازم کر اس لئے کہ وہ تیرے لئے زمین میں نور اور آسمان میں ذکر (کا باعث) ہوگا۔

عطیہ سعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لایبلغ العبد ان یکون من المتقین حتی یدع مالاباس بہ حذراً لمابہ باس (۴۲)

کوئی شخص اہل تقویٰ کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ اس چیز کو نہ چھوڑ دے جس میں اس کے لئے (بظاہر) قباحت نہ ہوتا کہ اس کے لئے اس چیز کو چھوڑنا آسان ہو جائے جس میں اس کے لئے قباحت ہے۔ یعنی وہ مکروہ ومشتبہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے مباح چیز کو چھوڑ دے۔

ایک اور حدیث حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۴۱۔ احمد: ج ۳، ص ۵۰۱، رقم ۱۱۳۶۵

۴۲۔ مشکوٰۃ: کتاب البیوع باب الکسب و طلب الحلال

ان نفسا لن تموت حتی تستکمل رزقها، الا فاتقوا الله واجملوا فی الطلب، ولایحملنکم استبطاء الرزق ان تطلبوه بمعاصی الله، فانه لایدرک ماعندهٗ الابطاعته (۴۳)

کسی شخص کو بھی اللہ کا مقرر کردہ رزق حاصل کئے بغیر موت نہیں آئے گی۔ سنو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور رزق کے حصول میں جائز ذرائع کام میں لاؤ۔ رزق کے حصول میں تاخیر تمہیں ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر آمادہ نہ کرے اس لئے کہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ صرف اس کی اطاعت ہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کبھی کسی کو رزق کے حصول میں ناکامی یا تاخیر کا سامنا کرنا پڑے تو اس سے اسے مایوس اور نا اُمید نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ نے اس کے لئے رزق کی جو مقدار مقرر کر رکھی ہے اس کے ملنے میں خواہ تاخیر ہو وہ ہر حال میں اس کو مل کر رہے گی۔ موت سے پہلے وہ اس کو ضرور حاصل کرے گا۔ اس میں ذرہ بھر بھی کمی بیشی نہیں ہوگی۔ اس لئے آدمی کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا چاہئے اور حصول رزق میں جائز ذرائع سے کام لینا چاہئے اور ناجائز طریقوں سے بچتے رہنا چاہئے۔ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس کی نافرمانی سے نہیں بل کہ اس کی اطاعت وفرماں برداری سے حاصل ہوتا ہے۔

دنیا میں نافرمان لوگ بظاہر خوش حال اور آرام وراحت اور ہر قسم کی آسائش میں نظر آتے ہیں۔ ان کی یہ خوشی اور آرام وراحت حقیقی اور دائمی نہیں بل کہ یہ اللہ کی طرف سے ڈھیل اور مہلت ہوتی ہے جس کے بعد اللہ کے عذاب سے دوچار ہونا پڑتا ہے جو آخرت میں تو کسی شک وشبہ کے بغیر ہوگا۔ البتہ کبھی کبھی دنیا میں بھی بعض لوگوں کو دوسروں کی عبرت ونصیحت کے لئے اس میں پکڑ لیا جاتا ہے۔ اس لئے انسان کو ہر حال میں اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہنا چاہئے۔ حقیقی راحت وہی ہے جو اللہ کی اطاعت وفرماں برداری سے حاصل ہو۔

تقوے کے درجات

حضرت مولانا سیّد زوار حسین رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر علما وصوفیا کے حوالے سے تقوے کے درج ذیل ۳ درجے بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ تقوے کے بہت سے درجات ہیں۔ اس کا ادنیٰ درجہ کفر وشرک سے بچنا ہے اور اس معنی کے لحاظ

۴۳۔ مشکوٰۃ

سے ہر مسلمان کو متقی کہا جاسکتا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے قرآن کریم میں کئی جگہ متقین اور تقویٰ کا استعمال ہوا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے:

ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (۴۴)

اس کتاب (قرآن) میں کوئی شبہ نہیں۔ یہ متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔

هٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًی وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ (۴۵)

۲۔ تقوے کا دوسرا درجہ جو حقیقت میں مطلوب ہے وہ ہر اس چیز سے بچنا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔ تقوے کے جو فضائل و برکات قرآن و حدیث میں آئے ہیں وہ اسی درجے کے بارے میں ہیں۔

۳۔ تقوے کا یہ اعلیٰ درجہ ہے جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے خاص نائبین اولیاء اللہ کو نصیب ہوتا ہے اور وہ اپنے قلب کو غیر اللہ سے بچانا اور اللہ کی خوش نودی میں لگانا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لایؤمن احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به (۴۶)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہوجائیں۔

حضرت انس کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین (۴۷)

تم میں سے کوئی شخص کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔

یہی لوگ تقوے کا حق ادا کرتے ہیں جن کے بارے میں منقول ہے کہ حق تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہر کام میں کی جائے کوئی کام اطاعت کے خلاف نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد رکھیں اس کو کبھی نہ بھولیں اور اس کا شکر یہ ادا کریں۔ جس کو اس درجے کا تقویٰ حاصل ہوجاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی کی ملامت یا بدسلوکی کی پرواہ نہیں کرتا اور ہمیشہ انصاف پر قائم رہتا ہے اگرچہ انصاف کرنے میں اپنے نفس یا اپنی اولاد یا ماں باپ ہی کا نقصان ہوتا ہو۔ (۴۸)

۴۴۔ البقرہ: ۱ ۴۵۔ آل عمران: ۱۳۸ ۴۶۔ مشکوٰۃ

۴۷۔ احمد: ج ۳، ص ۲۸، رقم ۱۲۷۳۹ ۴۸۔ مقالات زواریہ: ص ۴۶۴۔۴۶۶

متقیوں کی صفات

دنیا میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اچھوں کے لباس میں برے بھی ان کی جگہ لے لیتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر لوگوں کی رہنمائی کے لئے اپنے مقبول بندوں کے خاص اوصاف بیان فرمادیئے تاکہ غلط لوگوں سے بچا جاسکے اور سچے اور مقبول لوگوں کو پہچان کر ان کی اتباع کی جاسکے۔ چناں چہ ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ o وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O (۴۹)

(اور متقی وہ ہیں) جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے وہ اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور وہ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ ﷺ پر (قرآن) نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور ان کو قیامت (واقع ہونے) کا یقین ہے۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے متقیوں کی چھ صفات بیان فرمائی ہیں:

۱۔ غیب پر ایمان: وہ غیب کی ان چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جن کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور ان کا علم ظاہری عقل وحواس خمسہ کے ذریعے نہیں ہوسکتا۔ مثلاً اللہ کی ذات وصفات، تقدیری امور، جنت ودوزخ کے حالات، قبر اور عالم برزخ کے حالات، قیامت کے روز پیش آنے والے واقعات، فرشتے، آسمانی کتابیں اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کے حالات وغیرہ۔ پس ایمان بالغیب کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات وہدایات کو دل سے ماننے اور جس کو ایمان کی یہ دولت نصیب ہوجائے، وہ ارشاد خداوندی کے مطابق متقی ہے۔

۲۔ نماز قائم کرنا: نماز قائم کرنے سے مراد محض نماز پڑھ لینا نہیں بل کہ نماز کے تمام فرائض و واجبات وسنن ومستحبات کو ادا کرنا اور اس کے مکروہات ومفسدات سے بچنا ہے خواہ وہ نماز فرض ہو یا واجب یا نفل۔ جو لوگ نماز میں ان شرائط وآداب کی رعایت کرتے ہیں وہ متقی ہیں۔

۴۹۔ البقرہ: ۳۔۵

۳۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا: وہ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اس کی راہ میں مناسب موقعوں پر جائز اور مفید کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ خوشی اور غمی ہر حال میں وہ اپنا مال اور قوت اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں یہاں تک کہ تنگ دستی میں بھی وہ اپنا ہاتھ نہیں روکتے۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا بہت بڑی قربانی ہے۔ بہت سے لوگ نماز روزہ وغیرہ تو کرتے ہیں مگر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں جو دنیا و آخرت دونوں کے لئے نقصان دہ ہے۔

قتادہ فرماتے ہیں کہ تم اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے رہو، کیوں کہ یہ مال تمہارے پاس اللہ کی امانت ہے اور عن قریب تم سے جدا ہو جائے گا۔ سو تم اپنی زندگی میں اسے اللہ کی راہ میں لگا دو۔ (۵۰)

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ مال و دولت اور ہنر و صلاحیت ہے وہ سب اللہ کے عطا کردہ ہیں اور اسی کی امانت ہیں۔ اگر ہم اپنا مال و صلاحیت اللہ کی راہ میں اس کی رضا کے لئے خرچ کر دیں تو بھی بجا ہے اور ہمارا کوئی احسان نہیں۔ (۵۱)

۴۔ آسمانی کتابوں پر ایمان لانا: اللہ کی طرف جو کچھ محمد ﷺ پر نازل کیا گیا اور جو آپ ﷺ سے پہلے سابقہ انبیاء پر نازل ہوا یہ متقی لوگ ان سب پر ایمان و یقین رکھتے ہیں۔

۵۔ آخرت پر ایمان: متقی لوگ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ یقین اس علم کو کہتے ہیں جو دلائل سے اس قدر واضح اور ثابت ہو کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

دنیا عمل کی جگہ ہے۔ بدلے کی جگہ آخرت ہے جہاں ہر شخص کو دنیا میں کئے ہوئے اس کے ایک ایک عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ سو آخرت کی زندگی کا دارومدار اسی دنیا کی زندگی پر ہے۔ دنیا میں جیسے اعمال کریں گے آخرت میں ویسا ہی بدلہ پائیں گے۔ اللہ نے ہماری ہدایت و رہنمائی کا پورا پورا انتظام فرمایا ہے۔ صحیح اور غلط راستوں کی واضح طور پر نشان دہی فرمائی ہے اور اپنی رضامندی اور ناراضمندی کو انبیاء علیہم السلام کے ذریعے واضح فرما دیا ہے اور اعمال کے بارے میں پوری آزادی اور اختیار بھی دیا ہے۔ اب یہ ہمارے اوپر منحصر ہے کہ ہم اللہ کے بتائے ہوئے راستے کو اختیار کرتے ہیں یا شیطان کے راستے پر چلتے ہیں۔

مذکورہ بالا صفات کے حامل ہی متقی اور پرہیزگار ہیں اور وہی دنیا و آخرت دونوں میں ہر طرح کی خیر و خوبی اور فوز و فلاح پانے والے ہیں اور وہی یقینی طور پر کامیاب ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ

۵۰۔ ابن کثیر۔ التفسیر: ج ۱ ص ۴۲ ۵۱۔ مفتی محمد شفیع۔ معارف القرآن: ج ۱ ص ۱۱۰

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (۵۲)

نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرلیا کرو بل کہ نیکی یہ ہے کہ جو اللہ اور یوم آخرت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور تمام نبیوں پر ایمان لائے اور اللہ کی محبت میں مال کو رشتے داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں اور غلاموں کو آزاد کرنے میں دے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور جب وہ کوئی عہد کریں تو اس کو پورا کریں اور تنگ دستی اور تکلیف دہ وقت اور جنگ میں صبر کریں (ثابت قدم رہیں) یہی لوگ سچے ہیں اور یہی متقی ہیں۔

جب مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس سے بدل کر بیت اللہ مقرر کیا گیا تو یہود و نصاریٰ اور مشرکین بڑا شور شرابہ اور مسلمانوں پر طرح طرح کے اعتراض کرنے لگے۔ اس آیت میں تحویل قبلہ کے بارے میں بحث کو یہ کہہ کر ختم کر دیا گیا کہ تمہارے خیال میں دین کا تمام تر انحصار اس بات پر ہے کہ نماز میں انسان کا رخ مغرب کی طرف ہو یا مشرق کی طرف۔ تم نے تو صرف سمت کو دین کا مقصد بنالیا، حال آں کہ اصل بھلائی اور ثواب تو اللہ کی اطاعت میں ہے۔ اپنی ذات کے اعتبار سے مشرق و مغرب یا کسی اور سمت کی کوئی اہمیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس جانب رخ کرنے کا حکم دے اسی کی تعمیل میں اجر و ثواب ہے۔ جب تک بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم تھا تو اسی میں ثواب تھا اور جب بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا تو اب بھی وہی ثواب ہے۔ آیت میں مشرق و مغرب کا خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا کہ یہود مغرب کی طرف اور انصاریٰ مشرق کی طرف منہ کرتے تھے۔

اس آیت میں متقیوں کے مزید اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ اس سے پہلے بقرہ کی آیات ۳ سے ۵ میں ۵ اوصاف بیان ہو چکے ہیں۔

۶۔ **اللہ پر ایمان:** اللہ پر اس طرح ایمان لائے کہ اس کو جلال ذات اور کمال صفات میں یگانہ سمجھے، حدث کے عیب اور ضد و مثل سے پاک سمجھے اور اس نے اپنے آپ کو جیسا بتایا ہے اس کے بارے میں ویسا ہی اعتقاد رکھے۔

۵۲۔ البقرہ: ۷۷

۷۔ یوم آخرت پر ایمان: یہ صفت نمبر۵ پر بیان ہو چکی ہے۔

۸۔ فرشتوں پر ایمان لانا: یہ اعتقاد رکھنا کہ فرشتے اللہ کی مخلوق ہے، نور سے پیدا ہوئی، جسم اور روح والی ہے۔ یہ نہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں، نہ نکاح کرتے ہیں نہ اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ یہ وہی کرتے ہیں جس کا اُنہیں حکم دیا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض اللہ کے قاصد ہیں جو انبیاء کے پاس وحی لاتے تھے۔

۹۔ کتاب پر ایمان: یہاں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید اور تمام آسمانی کتابیں اللہ کا کلام ہیں اور غیر مخلوق ہیں۔

۱۰۔ انبیاء پر ایمان: تمام انبیاء پر ایمان لانا۔ تمام انبیاء صغائر و کبائر سے پاک و معصوم ہیں۔

۱۱۔ اللہ کی محبت میں مال دینا: یہ صفت نمبر۳ پر بیان ہو چکی ہے۔

۱۲۔ رشتے داروں کو دینا: اس میں سب رشتے دار شامل ہیں خواہ ان سے نسبی تعلق ہو یا عائلی۔

۱۳۔ یتیموں کو دینا: یتیم اس بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ بالغ ہونے سے پہلے وفات پا جائے یا گم ہو جائے اور اس کا کوئی کمانے والا نہ ہو اور نہ وہ خود روزی کما سکتا ہو۔

۱۴۔ مسکین: مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ اس کے کھانے پینے، پہننے، اوڑھنے اور رہنے سہنے کے لئے کافی ہو سکے۔ اس کو بھی اپنے مال میں سے دیا جائے جس سے اس کی حاجت پوری ہو سکے اور وہ فقر و فاقہ و ذلت کی حالت سے بچ سکے۔

۱۵۔ مسافروں کو دینا: یہاں وہ مسافر مراد ہے جو اپنے اہل و عیال سے الگ ہو، اور اس کے پاس سفر خرچ نہ رہا ہو۔ ایسے مسافر کو اتنا دیا جائے کہ وہ اطمینان سے اپنے وطن پہنچ جائے۔

۱۶۔ سائل کو دینا: سائل اس کو کہتے ہیں جو اپنی حاجت ظاہر کر کے لوگوں سے مانگے۔

۱۷۔ گردن چھڑانے میں دینا: اس سے مراد غلاموں کو آزاد کرانا ہے۔ خواہ وہ غلام ہوں جنہوں نے اپنے مالکوں کو لکھ دیا ہو کہ اگر ہم تمہیں اتنا اتنا مال دے دیں تو ہم آزاد ہیں لیکن پھر وہ اتنا مال ادا نہ کر سکیں تو ان کی امداد کر کے ان کو آزاد کرانا چاہئے۔

۱۸۔ نماز قائم کرنا: یہ صفت نمبر۲ پر بیان ہو چکی۔

۱۹۔ زکوٰۃ ادا کرنا: اس میں نفلی صدقات و خیرات شامل ہیں۔

۲۰۔ عہد کو پورا کرنا: جب وہ کسی سے کوئی عہد کرتے ہیں تو اس کو پورا کرتے ہیں۔

۲۱۔صبر کرنا: تنگ دستی، جسمانی بیماری کے وقت، دشمن سے لڑائی کے موقع پر صبر وہمت سے کام لیتے ہیں اور ثابت قدم رہتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ ان اوصاف کے حامل ہی ایمان اور نیکی میں سچے ہیں۔ان کا ظاہر و باطن اور قول وفعل یک ساں ہے۔یہی لوگ متقی اور پرہیز گار ہیں۔دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَo اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَo وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَo اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ O (۵۳)

اور اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے اود (متقی وہ ہیں) جو فراخی اور تنگی کے وقت اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو ضبط کرتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے اور یہ لوگ جب کوئی کھلا گناہ کرگزرتے ہیں یا اپنے اوپر ظلم کر لیتے ہیں تو اسی وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں کو معاف کرے اور جو گناہ وہ کر بیٹھیں اس پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے۔یہی وہ لوگ ہیں جن کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے بخشش اور ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔

پہلی آیت میں فرمایا کہ مغفرت اور جنت کی طرف تیزی سے بڑھو۔یہاں مغفرت سے مراد وہ تمام اعمال صالحہ ہیں جو مغفرت الٰہی کا سبب ہوتے ہیں اور مغفرت کو جنت پر مقدم کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ مغفرت الٰہی کے بغیر جنت کا حصول ممکن نہیں اس لئے کہ اگر انسان تمام عمر نیکیاں کرتا رہے اور گناہوں سے بچتا رہے تب بھی اس کے تمام اعمال جنت کی قیمت نہیں ہو سکتے۔جنت میں لے جانے والی صرف مغفرت الٰہی اور اس کا فضل ہے۔اگر چہ ہمارے اعمال جنت کی قیمت نہیں مگر اللہ کی عادت اور سنت

۵۳۔البقرہ:۱۳۳۔۱۳۵

یہی ہے کہ وہ اپنے فضل اور رحمت سے اسی بندے کو نوازتا ہے جو اعمال صالحہ کرتا ہے۔ اس لئے اعمال صالحہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے۔

پھر فرمایا کہ جنت کی وسعت اس قدر ہے کہ سارے آسمان وزمین اس میں سما سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس جنت کے عرض کا یہ حال ہے تو اس کا طول کس قدر ہوگا۔ پس ایسی قیمتی اور عظیم الشان چیز کے حصول میں مسابقت ومسارعت نہایت ضروری ہے۔ (۵۴)

اس کے بعد متقیوں کی چھ صفات کا بیان ہے۔

۲۲۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا: یہ صفت نمبر ۳ پر بیان ہو چکی ہے۔

۲۳۔ غصے کو ضبط کرنا: وہ غصے کو ضبط کرتے ہیں اور غصے سے مغلوب ہو کر نازیبا حرکات نہیں کرتے۔

۲۴۔ خطاؤں کو معاف کرنا: وہ خطا کاروں کو معاف کر دیتے ہیں۔

۲۵۔ احسان کرنا: وہ تکلیف دینے والوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتے ہیں۔

۲۶۔ گناہ پر معافی طلب کرنا: اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس سے بخشش طلب کرتے ہیں۔

۲۷۔ غلطی پر اصرار نہ کرنا: اپنی غلطی پر اصرار نہیں کرتے بل کہ غلطی کا احساس ہوتے ہی اس کو تسلیم کر لیتے ہیں۔

مذکورہ بالا صفات سے لوگوں میں اللہ کا خوف اور تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے ان صفات کے حاملوں کو متقی کہا جاتا ہے۔ اللہ نے ان کے لئے بڑے اجر وثواب کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ آخرت میں وہ ان کی مغفرت فرمائے گا اور ان کو ایسے باغ عطا فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ سو نیک لوگوں کے لئے ان کے رب کی طرف سے ان کے اعمال کا کیسا اچھا بدلہ ہے۔

تقوے کے فوائد وثمرات

تقویٰ نیکی کی تحریک اور برائی سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے۔ آدمی کے اندر عجز وانکسار کو اُبھار کر زندگی کو باوقار بناتا ہے۔ اخلاق کو سنوارتا اور کردار کو نکھارتا ہے۔ خدا ترسی، رحم دلی، عدل وانصاف، سخاوت وایثار، عفو ودرگزر اور صبر وتحمل جیسے اوصاف تقویٰ ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طرح جھوٹ

۵۴۔ معارف القرآن: ج ۱، ص ۱۸۱۔۱۸۳

وعدہ خلافی، خیانت، غرور، حسد، بخل اور خودغرضی جیسے اوصاف قبیحہ سے بچنے کی تحریک تقویٰ ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ غرض تقویٰ کا مفہوم بے حد وسیع ہے۔ اس کا تعلق زندگی کے ہر شعبے اور ہر سرگرمی سے ہے۔ یعنی تقویٰ زندگی کے ہر شعبے اور ہر پہلو کو اللہ کی رضا اور خوشنودی کے تابع بناتا ہے۔ دنیا عمل کی جگہ ہے اور آخرت بدلے کی۔ ہم دنیا میں جیسی فصل بوئیں گے وہی آخرت میں کاٹیں گے۔ اس لئے تقویٰ کو زندگی کا مقصد بنانا چاہئے، تاکہ اوامر پر عمل کرنا اور نواہی سے بچنا آسان ہو جائے اور آخرت سنور جائے۔ قرآن کریم نے بھی بے شمار مقامات پر تقوے کے فوائد و ثمرات بیان فرمائے ہیں تاکہ لوگوں میں حصول تقویٰ کی تحریک اور لگن پیدا ہو اور زیادہ سے زیادہ لوگ دنیا میں متقی اور پرہیزگار بن کر رہیں اور آخرت کے منافع حاصل کریں۔ یہاں چند آیات قرآنی کی مختصر تشریح دی جارہی ہے تاکہ تقویٰ کے فوائد و ثمرات کا ایک اجمالی خاکہ لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے۔ چناں چہ ارشاد ہے:

۱۔ لاَ یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلاَدِ O مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَأْوَاھُمْ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِھَادُ O لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ لَھُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْأَنْھَارُ خَالِدِیْنَ فِیْھَا نُزُلاً مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ لِّلْأَبْرَارِ O (۵۵)

کافروں کا شہروں میں آنا جانا تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ یہ تھوڑا سا فائدہ ہے پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہی ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی طرف سے مہمان داری ہے اور نیک لوگوں کے لئے، جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کہیں بہتر ہے۔

کافروں کا تجارت و کمائی کے لئے اِدھر اُدھر ملکوں اور شہروں میں گھومنا پھرنا اور زندگی کے مزے اُڑانا، ان کے ناز و نعم، ان کی راحت و آرام اور ان کی ظاہری خوشحالی و فارغ البالی سے مسلمانوں کو دھوکہ نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ تو بہت تھوڑا سا اور بے مقدار و بے حقیقت سامان ہے جو بہت جلد ضائع ہو جائے گا۔ اس کے بعد تو ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔ لہٰذا آخرت کے مقابلے میں ان کی یہ تمام نعمتیں حقیر و بے حقیقت ہیں۔

حضرت مستورد بن شداد کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

واللہ! ماالدنیا فی الاخرۃ الامثل ما یجعل احدکم اصبعہ ھذہ فی الیم فلینظر بم ترجع؟ (۵۶)

۵۵۔ آل عمران: ۱۹۶۔۱۹۸ ۵۶۔ مسلم: ج ۴، ص ۳۲۵، رقم ۲۸۵۸۔ ترمذی: ج ۴، ص ۱۴۵، رقم ۳۰۲۳

آخرت کے مقابلے میں دنیا ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی اُنگلی سمندر میں ڈال کر نکالے پھر اپنی اُنگلی کو دیکھے کہ وہ کتنی (تری) لے کر لوٹی ہے۔

مذکورہ بالا کلام سے یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ جب دنیا میں آرام وآسائش اور فارغ البالی کے ساتھ رہنے والوں کی متاع قلیل ہے تو متقیوں کی متاع تو اس سے بھی قلیل ہوگی، اس لئے کہ وہ تو پہلے ہی آسائشوں اور لذتوں سے دور ہیں۔ اس خیال کو دور کرنے کے لئے اللہ نے فرمایا کہ جن پرہیزگاروں نے دنیا میں ایسے کام کر لئے جو آخرت کی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ ہیں تو حقیقت میں ان ہی لوگوں نے دنیا سے بیش بہا فائدہ اُٹھایا۔ ان کے لئے اللہ کے پاس ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی طرف سے ان کے لئے خصوصی مہمانی ہے۔ جس طرح مہمان کو اپنے کھانے پینے کی کچھ فکر نہیں ہوتی، عزت و آرام سے بیٹھے بٹھائے ہر چیز تیار ملتی ہے اسی طرح پرہیزگاروں کو اللہ بھی اپنی شان وقدرت کے مطابق بہترین سامان ضیافت عطا فرمائے گا اور نیک لوگوں کے لئے جو کچھ ثواب وقرب کے درجات اور رضا ورحمت، اللہ کے پاس ہے وہ دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

۲۔ تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَّالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ O (۵۷)

آخرت کا یہ گھر ہم ان ہی لوگوں کو دیں گے جو دنیا میں نہ اپنی بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد اور انجام تو پرہیزگاروں ہی کا اچھا ہے۔

آخرت کا گھر مخلوق کی نظر سے پوشیدہ ہے۔ اس گھر کی نعمتوں کو کوئی نہیں جانتا بل کہ اس کی نعمتوں کا کسی کے دل میں خیال تک نہیں گزرا۔ یہ گھر اور اس کی نعمتیں صرف ان لوگوں کو ملیں گی جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوگا اور وہ دنیا کی زندگی میں تواضع، عاجزی اور انکساری کے ساتھ رہیں گے۔ نہ کسی پر اپنی بڑائی جتائیں گے اور نہ اِدھر اُدھر فساد پھیلائیں گے، نہ کسی کی برائی کریں گے اور نہ کسی کا مال ناحق لیں گے اور اچھا انجام تو متقیوں ہی کے لئے ہے۔

۳۔ وَلَدَارُ الْاٰخِرَۃِ خَیْرٌ وَّلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ O جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَھَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ لَھُمْ فِیْھَا مَا یَشَآءُوْنَ کَذٰلِکَ یَجْزِی اللّٰہُ الْمُتَّقِیْنَ O اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْکُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّۃَ بِمَا کُنْتُمْ

۵۷۔ القصص ۸۳

تَعْمَلُوْنَ O (۵۸)

اور البتہ آخرت کا گھر تو بہت ہی بہتر ہے اور متقیوں کا کیا ہی خوب گھر ہے۔ وہ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں یہ داخل ہوں گے، ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان کے لئے وہاں ہر وہ چیز ہوگی جو وہ چاہیں گے۔ اللہ متقیوں کو ایسا ہی بدلہ دیتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی روح فرشتے اس حالت میں نکالتے ہیں کہ وہ پاک ہوتے ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ سلامتی ہو تم پر، تم جنت میں داخل ہو جاؤ اپنے اعمال کی وجہ سے۔

پرہیزگاروں کے لئے آخرت کا گھر تو بہت ہی اچھا ہے۔ آخرت میں ان کے لئے جنت عدن ہے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور جس کے محلوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اس جنت میں پرہیزگاروں کو ہر وہ چیز میسر ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے۔ اللہ پرہیزگاروں کو ایسے ہی اجر وثواب اور بدلے دیتا ہے۔ فرشتے ان کی جانیں اس حال میں قبض کریں گے کہ وہ شرک کی گندگی سے پاک وصاف ہوں گے۔ فرشتے ان کو سلام کریں گے اور جنت کی خوش خبری سنائیں گے اور کہیں گے کہ تم اپنے ان اعمال کے سبب جنت میں داخل ہو جاؤ جو تم دنیا میں کرتے تھے۔

۴۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وِّظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا (۵۹)

جس جنت کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اس کا پھل اور اس کا سایہ دائمی ہے۔ یہ پرہیزگاروں کا انجام ہے۔

پرہیزگاروں سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کے ایک صفت تو یہ ہے کہ اس کی چاروں طرف نہریں جاری ہیں جن کا پانی کبھی خراب نہیں ہوگا۔ اس میں دودھ کی نہریں ہیں جن کے دودھ کا مزہ کبھی نہیں بگڑتا، اس میں شراب کی نہریں جس میں صرف لذت ہی لذت ہے، نہ اس میں بدمزگی ہے اور نہ بیہودہ نشہ اور اس میں شہد کی نہریں ہیں اور ہر قسم کے پھل ہیں جو ہمیشہ رہیں گے اس کی کھانے پینے کی چیزیں کبھی فنا نہ ہوں گی۔ جیسے ارشاد ہے:

وَفَاكِهَةٍ كَثِیْرَةٍ O لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ O (۶۰)

وہاں بہ کثرت میوے ہوں گے، وہ نہ کبھی کٹیں گے اور ٹوٹیں گے اور نہ کبھی ختم ہوں گے۔

۵۔ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ O ادْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ اٰمِنِیْنَ O وَنَزَعْنَا مَا فِیْ

۵۸۔ النحل: ۳۰۔۳۲ ۵۹۔ الرعد: ۳۵ ۶۰۔ الواقعہ: ۳۲۔۳۳

صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَاناً عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ O لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ O (۶۱)

بے شک متقی لوگ باغوں اور چشموں میں رہیں گے (ان سے کہا جائے گا کہ) تم ان باغوں میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ اور جو کچھ ان کے دلوں میں رنجش ہوگی ہم اس کو دور کر دیں گے۔ وہ تختوں پر آمنے سامنے بھائی بھائی بنے بیٹھے ہوں گے۔ وہاں اُنہیں کوئی تکلیف چھو سکتی ہے اور نہ وہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے۔

بلاشبہ متقی لوگ باغوں، نہروں اور چشموں میں ہوں گے۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ ان باغوں اور چشموں کے اندر امن وسلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ اب تم ہر آفت ومصیبت سے محفوظ اور ہر خوف وگھبراہٹ سے مامون ہو گئے۔ یہاں نہ نعمتوں کے زوال کا ڈر ہے اور نہ یہاں سے نکالے جانے کا خوف وخطر اور موت کا غم۔ اگر اہل جنت کے دلوں میں کوئی دنیوی، رنجش وکینہ باقی ہوگا تو ہم ان کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس کو ختم کر دیں گے اور وہ سب بھائی بھائی ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ تختوں پر بیٹھے ہوں گے اور محبت والفت سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے، وہاں ان کو کبھی کوئی تکلیف نہ چھوئے گی اور نہ کبھی وہ وہاں سے نکالے جائیں گے، کیوں کہ جنت ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

۶۔ هٰذَا ذِكْرٌ وَّاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ O جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ O مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ O وَعِنْدَهُمْ قٰصِرَاتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ O هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ O اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ O (۶۲)

یہ ایک نصیحت ہے اور بے شک متقیوں کے لئے بہت اچھا ٹھکانا ہے، ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوں گے۔ وہ ان میں تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے اور بہت سے میوے اور پہننے کی چیزیں منگوائیں گے اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی ہم عمر (حوریں) ہوں گی۔ یہ وہی ہے جس کا تم سے روز حساب کے لئے وعدہ کیا گیا تھا۔ بے شک یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

بلاشبہ متقیوں کے لئے آخرت میں بہترین ٹھکانا ہے۔ وہاں ہمیشہ رہنے والے باغات ہوں گے۔ ان کے اعزاز واکرام کا یہ حال ہوگا کہ جب بھی وہ اپنے باغات ومحلات میں آئیں گے تو فرشتے ان محلات

۶۱۔ الحجر: ۴۵۔۴۸ ۶۲۔ ص: ۴۹۔۵۴

کے دروازے کھولے ہوئے ان کے استقبال کے منتظر ہوں گے۔ یہ متقی لوگ اپنے باغوں اور محلات میں سکون واطمینان کے ساتھ تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ان محلات میں قسم قسم کے پھل اور میوے ہوں گے اور متعدد قسم کے مشروب ہوں گے۔ جس پھل یا مشروب کو ان کا دل چاہے گا اس کو ان کے حکم کے ساتھ ہی باسلیقہ خدام لا حاضر کریں گے۔ ان کے پاس ان کی ہم عمر بیویاں ہوں گی جو پاک دامن، نیچی نگاہوں والی اور ان سے محبت رکھنے والی ہوں گی۔ ان کی نگاہیں کبھی دوسرے کی طرف نہ اُٹھیں گی۔ یہ وہ انعامات و اکرامات ہیں جن کا وعدہ اللہ نے متقیوں سے فرمایا ہے۔ نہ یہ کبھی فنا ہوں گے اور نہ ان میں کبھی کمی آئے گی۔

۷۔ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍO فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍO یَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِیْنَO کَذٰلِکَ وَزَوَّجْنٰھُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍQ یَّدْعُوْنَ فِیْھَا بِکُلِّ فَاکِھَۃٍ آمِنِیْنَ O لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْھَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَۃَ الْاُوْلٰی وَوَقٰھُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ O فَضْلاً مِّنْ رَّبِّکَ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (۶۳)

بے شک متقی لوگ امن کی جگہ میں ہوں گے، باغوں اور چشموں میں۔ باریک اور دبیز ریشم کے لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے ہوں گے۔ یہ اسی طرح ہوگا۔ ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کردیں گے۔ وہاں وہ اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگوائیں گے۔ وہاں وہ موت نہیں چکھیں گے سوائے اس پہلی موت کے (جو دنیا میں آچکی) اور اللہ نے اُنہیں دوزخ سے بچالیا۔ یہ آپ کے رب کا فضل ہوگا۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

جو لوگ دنیا میں اپنے مالک وخالق سے ڈرتے رہتے ہیں، قیامت کے روز وہ جنت میں نہایت امن وچین کی جگہ میں ہوں گے۔ کافروں کے برعکس جن کو دوزخ میں زقوم کا درخت اور آگ جیسا گرم پیپ ملا ہوا پانی ملے گا، متقیوں کو باغات اور بہتی ہوئی نہریں ملیں گی۔ ان کا لباس نہایت نرم ولطیف ریشم سے بنا ہوا ہوگا۔ بعض لباس باریک ریشم کا ہوگا اور بعض دبیز ریشم کا۔ ان نعمتوں اور کرامتوں کے ساتھ وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کئے ہوئے بالکل آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ یہ سب باتیں اسی طرح ہوں گی۔ ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کریں گے۔ یہ لوگ، جنت میں جس میوے اور پھل کی خواہش کریں گے وہ ان کو ارادے اور خواہش کے ساتھ ہی مل جائے گا۔ ان کو جنت میں کبھی موت نہیں آئے گی جو طبعی موت ان کو دنیا میں آنی تھی وہ آچکی۔ اس راحت ونعمت کے ساتھ یہ بھی بڑی نعمت ہے کہ اللہ نے ان کو جہنم کے عذاب سے نجات دے دی۔ اہل تقویٰ کو جنت میں جو کچھ بھی ملے گا وہ محض

۶۳۔ الدخان: ۵۱۔۵۷

اللہ کے فضل واحسان اور مہربانی سے ملے گا۔ بلاشبہ یہی بڑی کامیابی ہے۔

آپ ﷺ کا تقویٰ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس افضل ترین مقام کے حامل تھے، جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اس مقام کا تقاضا تھا کہ آپ تقوے کے بھی اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوں، چناں چہ سیرت طیبہ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ آپ کی تعلیمات ہی نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا عمل اور اسوۂ حسنہ ہی اس حوالے سے بے مثال ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کھجور توڑنے کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس لائی جاتی تھی۔ ہر شخص اپنا اپنا حصہ لاتا یہاں تک کہ کھجوروں کا ڈھیر لگ جاتا (ایک مرتبہ) حسن اور حسین رضی اللہ عنہما ایسی ہی کھجوروں کے پاس کھیل رہے تھے کہ ایک نے ایک کھجور اُٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لی۔ جوں ہی آپ ﷺ نے دیکھا تو آپ نے وہ کھجور ان کے منہ سے نکالی اور فرمایا:

اما علمت ان آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم لایاکلون الصدقہ؟ (۶۴)

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ محمد (ﷺ) کی اولاد صدقہ نہیں کھا سکتی۔

ام عطیہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور دریافت فرمایا:

ھل عندکم شیء؟ فقالت لا الا شیء بعثت بہ الینا نُسَیْبَۃ من شاۃ التی بعثت بھا من الصدقۃ، فقال انھا قد بلغت محلھا (۶۵)

کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا نہیں کوئی چیز نہیں سوائے نسیبہ کے بھیجے ہوئے بکری کے اس گوشت کے جو اُنہیں صدقے کے طور پر ملی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ اپنی جگہ پہنچ چکا ہے۔

نسیبہ رضی اللہ عنہا کو صدقے میں جو بکری ملی تھی اُنہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھجوایا تھا اور آپ ﷺ نے اس کو تناول فرمایا تھا۔ اگرچہ آپ صدقہ قبول نہیں فرماتے تھے لیکن صدقہ ضرورت مند کو ملنے کے بعد صدقہ نہیں رہتا بل کہ اس کی ملکیت ہو جاتا ہے۔ اس لئے نسیبہ کا بھیجا ہوا گوشت صدقہ نہیں رہا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملکیت بدل جانے سے اس چیز کی اصل حیثیت بھی بدل جاتی ہے یعنی اگر کسی نے کسی ضرورت مند کو صدقہ دیا تو جب وہ صدقہ اصل مالک کی ملکیت سے نکل کر

۶۴۔ بخاری: ج ۱ ص ۳۶۶ رقم ۱۴۸۵ ۶۵۔ بخاری: ج ۱ ص ۳۶۸ رقم ۱۴۹۴

اس ضرورت مند کی ملکیت میں آئے گا تو اس کی حیثیت صدقے کی نہیں رہے گی بل کہ ضرورت مند اگر چاہے تو اس کو عام چیزوں کی طرح فروخت بھی کرسکتا ہے۔ اگر اس کے پاس کوئی ایسا مہمان ہو جس کے لئے صدقہ لینا شرعاً جائز نہیں تو وہ اسے بھی کھلا سکتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں وہ گوشت پیش کیا گیا جو بریرہ رضی اللہ عنہا کو صدقے کے طور پر ملا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

هو عليها صدقة وهو لنا هدية (٦٦)

یہ گوشت ان پر صدقہ تھا اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

زکوٰۃ یا صدقہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کے مستحق کو اس کا پوری طرح مالک بنا دیا جائے۔ مستحق شخص صدقہ لینے کے بعد اس کا اسی طرح مالک ہو جاتا ہے جس طرح صدقہ دینے سے پہلے اصل مالک اس کا مالک تھا۔ اب اس صدقے میں کوئی کراہت نہیں۔ صدقے کا مستحق اس کو جسے چاہے دے سکتا ہے۔ یہ اب صدقہ نہیں رہا بل کہ عام مال کی طرح ہو گیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ آپ ﷺ سے پہلے جس قدر انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے وہ اپنے اپنے زمانے اور وقت کی اخلاقی ضروریات کے اعتبار سے حسن اخلاق کے بہترین نمونے پیش کرتے رہے مگر ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس نے زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق حسن اخلاق کے اصولوں کو جامع اور مکمل طور پر پیش کر کے ان پر خود عمل کر کے دکھایا ہو۔ یہ صرف آپ ﷺ ہی کی ذات ستودہ صفات ہے جو ایسی جامع، کامل و مکمل اور قابل عمل شریعت لے کر آئی جس کے بعد کسی اور پیغمبر اور شریعت کی ضرورت باقی نہیں۔ آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی اور تمام عرب و عجم کے لئے قیامت تک اللہ کے رسول ہیں۔ اب قیامت کے قائم ہونے تک نہ کسی قسم کا کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی نئی شریعت۔ آپ ﷺ کی ذات بابرکات میں ہر شعبہ زندگی کے لئے کامل نمونہ عمل موجود ہے۔

اعلیٰ درجے کے اخلاقی اصولوں اور اوصاف میں سے تقویٰ ایک بہترین اور بنیادی نوعیت کا حامل وصف ہے۔ اصطلاح میں گناہوں سے نفس کی حفاظت کرنے کو تقویٰ کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں تقویٰ پانچ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ۱۔ خوف وخشیت، ۲۔ عبادت، ۳۔ ترک معصیت، ۴۔ توحید، ۵۔ اخلاص۔

انسان کے قلب کا ہدایت و گم راہی سے گہرا تعلق ہے۔ جب تک دل صحیح وسالم رہتا ہے، انسان بھلائی کے کام کرتا رہتا ہے۔ جب اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے تو اس سے اس کے اعمال میں بھی فساد اور

٦٦۔ بخاری: ج ۱ ص ۳۶۸ رقم ۱۴۹۵

بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ بالکل سیاہ ہو کر صرف برائیوں کی آماج گاہ بن جاتا ہے۔ قرآن کریم نے دل کی اس حالت کو ران (زنگ) سے تعبیر کیا ہے۔ دلوں کا یہ زنگ موت کو کثرت سے یاد کرنے اور کثرت تلاوت قرآن سے دور ہوتا ہے۔ قرآنی ہدایت اگر چہ مسلمانوں اور کافروں سب کے لئے ہے مگر اس سے فائدہ حاصل کرنا صرف متقیوں کا حصہ ہے۔ اس لئے کہ ان کے دل زنگ وظلمات نفسانی وشیطانی سے پاک وصاف اور روشن ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر گناہ اور اطاعت دونوں کے مادے اور استعداد رکھی ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے اس کو صاف صاف بتا دیا کہ شر اور برائی کا راستہ یہ ہے، خیر اور تقوے کا راستہ یہ ہے۔ پھر ایک حد تک انسان کو اختیار وقدرت بھی دیدی کہ وہ اپنے اختیار سے خواہ گناہ کے راستے پر چلے یا طاعت وفرماں برداری اختیار کرے۔ اسی قصد واختیار کے تحت گناہ یا طاعت کا راستہ اختیار کرنے پر اس کو آخرت میں ثواب یا عذاب ملے گا۔

دنیا میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، اچھوں کے لباس میں برے بھی ان کی جگہ لے لیتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی رہ نمائی کے لئے قرآن کریم میں جگہ جگہ اپنے مقبول بندوں کے اوصاف بیان فرما دیئے تا کہ غلط لوگوں سے بچا جا سکے اور سچے اور مقبول لوگوں کو پہچان کر ان کی محبت سے فائدہ حاصل کیا جا سکے۔

تقویٰ نیکی کی تحریک اور برائی سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اخلاق کو سنوارتا اور کردار کو نکھارتا ہے۔ آدمی کے اندر عجز وانکسار کو اُبھار کر بندگی کو باوقار بناتا ہے اور گناہوں سے بچنے اور توبہ کی توفیق دیتا ہے۔ غرض تقوے کا مفہوم بہت وسیع ہے اس کا تعلق زندگی کے ہر شعبے اور ہر سرگرمی سے ہے۔

کافروں کی ظاہری خوش حالی اور فارغ البالی سے مسلمانوں کو دھوکہ نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ آخرت کے مقابلے میں ان کو حاصل نعمتیں حقیر و بے حقیقت ہیں۔ اس کے برعکس جن پرہیز گاروں نے دنیا میں ایسے اعمال کر لئے جو آخرت کی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ ہیں تو حقیقت میں ان ہی لوگوں نے دنیا سے بیش بہا فائدہ اُٹھایا۔ آخرت کا گھر مخلوق کی نظر سے پوشیدہ ہے۔ اس کی نعمتوں کو کوئی نہیں جانتا بل کہ ان کی نعمتوں کا کسی کے دل میں خیال تک نہیں گزرا۔ یہ گھر اور اس کی نعمتیں صرف متقیوں کو ملیں گے۔ اللہ کے پاس ان کے لئے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی طرف سے ان کے لئے خصوصی مہمانی ہے۔ نیک لوگوں کے لئے جو کچھ ثواب اور قرب کے درجات اور رضا ورحمت، اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ دنیا کی چیز سے بہتر ہے۔